محمدی بیگم: بچوں کی ایک گم نام شاعرہ اور ادیبہ

ڈاکٹر ریحانہ کوثر، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

Abstract

"Muhammadi Begum was an outstanding literary figure of the first decade of 20th century. She lived a short life, died in the age of 29 years only after 9 years of her practical life. She wrote more than two dozen remarkable books. Some on household affairs for women, one biography, some novels and about a dozen books of poems and short stories for children.

"In the present article (perhaps for the first time) a detailed information about Muhammadi Begum's books for children is given."

اُردو میں بچوں کے لیے ادب کی تخلیق کا آغاز دکنی دور ہی میں ہو گیا تھا۔ شاہ حسین ذوقی کی مثنوی ''ماں باپ نامہ'' کو اس سلسلے کی پہلی کڑیوں میں شمار کیا جاتا ہے جس میں شاعر نے بچوں کو اپنے والدین کے احترام اور خدمت کی تلقین کی ہے۔[1] نظیر اکبر آبادی کے کلیات میں متعدد نظمیں ایسی ہیں جو صریحاً بچوں ہی کے لیے لکھی گئی ہیں مثلاً ایّامِ طفلی، معصوم بھولے بھالے، تربوز، کن کوے اور پتنگ، گلہری کا بچہ، پودنے اور گرڑھ پنکھ کی لڑائی، ریچھ کا بچہ، تل کے لڈو، ہرن کا بچہ وغیرہ۔ نظیر چونکہ معلم تھے اس لیے یقین کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے یہ نظمیں شعوری طور پر بچوں کے لیے لکھی ہوں گی۔

نظیر اکبر آبادی کے معلم پیشہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے مزاج اور افتادِ طبع کے پیشِ نظر یہ ماننے میں تامل نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے جہاں عام عوام کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے بہت کچھ لکھا ہے وہیں انھوں نے بچوں کی سوچ اور فکر کی عکاسی کو بھی اہم سمجھا ہے۔

نظیر تو خیر نظیر تھے سماجی حدود و قیود کی پرواہ نہ کرنے والے، ٹھکرائے اور دھتکارے ہوئے لوگوں میں گھل مل جانے والے، اونچ نیچ کو خاطر میں نہ لانے والے۔ لہٰذا ان کا معمولی، حقیر اور پیش پا افتادہ موضوعات کو موضوعِ شعر بنانا باعثِ تعجب نہیں۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ میر تقی میر جیسے غمگین اور متین شاعر نے بھی نظیر کی طرح عوامی موضوعات پر شعر کہے ہیں مثلاً ان کی یہ مثنویاں ...... موہنی بلی، کھٹمل، مچھر، کتیا اور بلی، مرغوں کی لڑائی، بکری اور کتّے وغیرہ۔ میر کی انہی قسم کی نظموں کے پیشِ نظر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بچوں کے شاعر بھی تھے۔[2]

میر اور نظیر جیسے بڑے شاعروں کے بعد غالب کا نام بھی بچوں کے شاعر کے طور پر لیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے بھتیجے زین العابدین کے بیٹوں کے لیے ''قادر نامہ'' لکھا۔ اس میں غالب نے ''خالق باری'' کی طرز پر فارسی کے عام استعمال میں آنے والے الفاظ کے معانی اُردو نظم میں دیئے ہیں مثلاً۔

چاہ کو ہندی میں کہتے ہیں کنواں
دود کو ہندی میں کہتے ہیں دھواں
ہندی میں عقرب کا، بچھو نام ہے
فارسی میں بھوں کا ابرو نام ہے

عہد غالب کے بعد تا عصرِ حاضر بچوں کے لیے لکھنے والے معروف اور غیر معروف نثر نگاروں اور شاعروں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ لیکن افسوس کہ (جہاں تک میں دیکھ سکی ہوں) اس میں محمدی بیگم کا نام کہیں نظر نہیں آتا۔[۳] محمدی بیگم اپنے زمانے کی ایک نام ور خاتون تھیں اور آسمانِ ادب وصحافت کا ایک درخشندہ ستارہ۔ معیار اور مقدار کسی بھی اعتبار سے ان کی تخلیقات معمولی نہیں ہیں۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے اپنے ایک مقالے میں ان کی پچیس (۲۵) تصانیف کے نام دئے ہیں۔[۴] جن میں سے تقریباً نصف تصانیفِ نظم ونثر خالصتاً بچوں کے لیے لکھی گئی ہیں۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے ان کا بُھلا دیا جانا اور گم نام ہو جانا اردو کے نام لیواؤں کی غفلت شعاری اور تساہل پسندی ہی کی وجہ سے ہے کیوں کہ ایسا بھی نہیں کہ وہ کسی دور افتادہ شہر یا قصبے کی رہنے والی تھیں، ان کی پوری ادبی اور صحافتی زندگی لاہور میں گزری۔ وہ متعدد رسالوں کے بانی وسرپرست اور سرسید احمد خاں کے رفیق خاص اور اپنے دور کے مشہور اشاعتی ادارے ''دارالاشاعت پنجاب'' اور اپنے زمانے کے جدید پرنٹنگ پریس کے مالک شمس العلما سید ممتاز علی کی زوجہ اور ادیب شہیر سید امتیاز علی تاج کی والدہ تھیں۔[۵] ان کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ کسی اردو رسالے کی پہلی خاتون ایڈیٹر تھیں[۶] انہوں نے ایک ایسے دور میں عورتوں کی تعلیم اور ان کے معاشرتی حقوق کے لیے مردانہ وار جدوجہد کی، جس دور میں کسی عورت کا اپنے نام سے کسی رسالے میں کوئی تحریر شائع کروانا ایک بہت بڑی جسارت خیال کیا جاتا تھا۔

ان تمہیدی معروضات کے بعد اب محمدی بیگم کی بچوں کے ادب کے سلسلے کی ان تصانیف کا تعارف پیش کیا جاتا ہے جو راقم الحروف حاصل کر سکی ہے لیکن اس سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ایک مختصر سی مثنوی ''پان کی گلوری'' کا ذکر کر دیا جائے۔

اگرچہ محمدی بیگم کی تصانیف میں نثری تحریریں زیادہ ہیں۔ شاعری انہوں نے صرف بچوں ہی کے لیے کی ہے لیکن ''پان کی گلوری'' کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعر گوئی کی اچھی خاصی صلاحیت ان میں موجود تھی۔ وہ ایک قادر الکلام شاعرہ تھیں اور فرمائش پر بھی اچھے شعر کہہ سکتی تھیں۔ ''پان کی گلوری'' کے دیباچے میں وہ لکھتی ہیں:

''مدت ہوئی پیاری بہن سلطانہ بیگم نے میری بعض نظمیں دیکھ کر مجھ سے پان پر ایک نظم لکھنے کی فرمائش کی تھیں چوں کہ مجھے پان کا چنداں شوق نہیں ہے اس لئے میں نے عذر کیا کہ اس

کی تعریف کا حق مجھ سے پورا پورا ادا نہ ہو سکے گا مگر پیاری بہن کے اصرار پر آخر مجھے وعدہ کرنا ہی پڑا......اب میں یہ چند الفاظ جوڑ جاڑ کر اپنا وعدہ پورا کرتی ہوں'' ۷

''پان کی گلوری'' اڑتیس (۳۸) اشعار کی مثنوی ہے۔ زبان سادہ اور بحر رواں ہے اس کی شاعرانہ خوبیوں کی بنا پر اسے میر اور میر حسن کی مختصر مثنویوں کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے۔ میرے پیش نظر اس مثنوی کی جو اشاعت ہے اس کے سرورق پر ۱۹۱۸ء مندرج ہے۔ طبع اول کا دیباچہ محمدی بیگم کا لکھا ہوا ہے (جو ماسوائے دو تین سطور کے اوپر اقتباس کیا گیا ہے) اس پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ دیباچہ طبع ثانی وحیدہ بنت سید ممتاز علی کا ۲۰ مارچ ۱۹۱۱ء کا لکھا ہوا ہے۔ جس میں وہ لکھتی ہیں کہ یہ مثنوی مدت سے ختم ہو چکی تھی بہنوں کے اصرار سے اب دوبارہ شائع کی جاتی ہے۔

محمدی بیگم نے ۲ یا ۳ نومبر ۱۹۰۸ء میں وفات پائی۔ ۸ وفات سے پہلے وہ کئی ماہ علیل رہیں۔ ۹ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ''پان کی گلوری'' ۱۹۰۷ء یا اس سے بھی پہلے، پہلی مرتبہ شائع ہوئی ہو گی۔ اور میرے پیش نظر ۱۹۱۸ء کی جو اشاعت ہے وہ چوتھی یا پانچویں اشاعت ہو گی۔ ایک عام سے موضوع پر لکھی گئی اس نظم کی اتنی اشاعتیں اس کی مقبولیت کی غماز ہیں۔ ''پان کی گلوری'' مقبول کیوں نہ ہوتی کہ باوجود زبان کی سادگی کے اس میں بیان کی بے ساختگی بھی ہے، موقع و محل کی مناسبت سے تشبیہ و صنائع کا استعمال بھی اور محاورے بھی بڑی نفاست سے باندھے گئے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

آیا جو پان مُنہ میں، دیا غصہ تھوک سب
گر یہ نہ ہو تو ہیچ ہے زردہ پلاؤ بھی
کھانے کے بعد کہتے ہیں سب، پانی لاؤ بھی
کھانے کے بعد پان نہ کھانے کو گر ملے
معلوم ایسا ہوتا ہے، بھوکے ہی ہیں اٹھے
قلعی ہے پان وان پر، ایسی چڑھی ہوئی
گویا کہ چاندنی ہے زمین پر کھلی ہے

سچے موتی

مثنوی کی ہئیت میں لکھی گئی نظموں کی یہ کتاب لڑکیوں کے لیے ہے اس میں شامل نظمیں پہلے ''تہذیب نسواں'' کے مختلف پرچوں میں شائع ہوئیں بعد ازاں محمدی بیگم نے جب انہیں کتاب کی شکل میں چھپوانے کا ارادہ کیا تو بہ غرض اصلاح مولانا حالی کی خدمت میں پیش کیا۔ اب موجودہ صورت میں یہ نظمیں ''سچے موتی'' کے عنوان سے مولانا موصوف کی اصلاح یافتہ ہیں تاہم اس میں کچھ نظمیں ایسی بھی ہیں جو ''تہذیب نسواں'' میں شائع نہیں ہوئیں اور اُسی عرصے میں لکھی گئیں جب اس کتاب کا مسودہ مولانا حالی کے پاس تھا۔ ۱۰

''سچے موتی'' کے شروع میں مختلف عنوانات کے تحت لکھی گئی ۳۴ نظمیں ہیں۔ اس کے بعد ''یادگار محبوب'' کے عنوان کے تحت نو نظمیں ہیں اور ان کے بعد ''زمین قبر سے خطاب'' کے تحت دو نظمیں اس کے بعد ''صبر'' کے عنوان

سے ایک نظم۔ اس نظم کے بعد ''دُعائیں'' کے عنوان سے دو نظمیں۔ آخر میں ایک ''حمد'' اس کے بعد ''مناجات'' اسی پر کتاب اختتام پذیر ہوتی ہے۔

یادگار محبوب اور صبر اور دُعائیں کے سلسلے کی سب نظمیں دردناک مرثیے ہیں جو محمدی بیگم نے اپنے نوجوان بھائی کی وفات پر لکھے۔ جس کا انتقال ۱۹۰۷ء میں ہوا۔ ''یادگار محبوب'' کے عنوان سے انہوں نے اپنے مرحوم بھائی محبوب الشفیع کے غم میں لکھی ہوئی نظموں کو ترتیب دیا تھا لیکن وہ اس مجموعے کو شائع نہ کرواسکیں کہ خود بھائی کے غم میں گھل گھل کر بیمار پڑ گئیں اور بھائی کی وفات کے اگلے سال راہی ملک عدم ہوگئیں۔ اس ثبوت کی چند نظمیں سید ممتاز علی نے ''سچے موتی'' کی دوسری اشاعت کے وقت اس میں شامل کر دیں۔۱۱ میرے پیش نظر ''سچے موتی'' کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔ لڑکیوں کے لیے لکھی گئی ''سچے موتی'' کی سبھی نظمیں سبق آموز ہیں۔ زیادہ تر نظمیں متوسط اور بڑی بحر میں ہیں اور رواں ایسی کہ پڑھنے میں ذرا رکاوٹ نہیں ہوتی۔ محمدی بیگم نے اپنی شاعری کا ذکر ہمیشہ عاجزی اور انکساری سے کیا ہے اور اپنے اشعار کو ٹوٹے پھوٹے الفاظ کے جوڑنے کا عمل کہا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک بلند پایہ شاعرہ تھیں۔ کیا مضمون اور کیا طرز ادا، ہر اعتبار سے ان کی شاعری عمدہ ہے۔ ''سچے موتی'' کی نظموں کے عنوانات ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا ذہن بڑا زرخیز تھا موضوعات و مضامین کی تلاش میں انہیں غیر معمولی کاوش نہیں کرنا پڑتی تھیں۔ محمدی بیگم نے لڑکیوں کی سبق آموزی کے لیے عام موضوعات سے ایسے ایسے نکتے بیان کئے ہیں کہ ان کی فکر رسا کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

خواب راحت

میرے پیش نظر منظوم ''لوریوں'' کی اس کتاب کی چوتھی اشاعت ہے جو ۱۹۲۷ء میں منظر عام پر آئی۔ پہلی مرتبہ یہ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ بہ مطابق نومبر ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی تھی۔۱۲

''خواب راحت'' میں محمدی بیگم نے اِدھر اُدھر سے سن سنا کر پوچھ پاچھ کر جمع کی ہوئی لوریوں کو مرتب کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ متعدد لوریاں خود تصنیف کر کے شامل کی ہیں اور دونوں قسم کی لوریوں میں امتیاز کے لیے اپنی لکھی ہوئی لوریوں پر ''از مصنفہ'' کے الفاظ لکھ دیئے ہیں۔

محمدی بیگم کی ان لوریوں میں ایک لوری ایسی ہے جو صوفی غلام مصطفےٰ تبسم کی لکھی ہوئی بچوں کی کتاب میں بھی شامل ہے۔۱۳ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ضرب الامثال اور لوک کہانیوں کی طرح لوریوں کے مصنف بھی بالعموم ہم نام ہوتے ہیں اور یہ کہ لوریاں نسل در نسل چلتی ہیں۔ مذکورہ لوری حسب ذیل ہے:

چندا ماموں

چندا ماموں دور کے — بڑے پکاویں بور کے
آپ کھاویں تھالی میں — ہمیں دیں پیالی میں
پیالی گئی ٹوٹ — چندا ماموں گئے روٹھ

پیالی اور لائے	چندا ماموں دوڑے آئے

تاج گیت

نظموں کی یہ مختصر سی کتاب محمدی بیگم نے پہلے پہل اپنے اکلوتے بیٹے امتیاز علی تاج کے لیے مرتب کی تھی اور اس کی شکل ایک قلمی کتاب کی تھی۔ اس سے پہلے وہ امتیاز کے لیے پچیس (۲۵) کہانیاں لکھ چکی تھیں جو بچوں میں بہت مقبول ہوئیں اور پنجاب کے سر رشتہ تعلیم نے بھی مصنفہ کی حوصلہ افزائی کی (قیاس ہے کہ سرکاری سکولوں کے بچوں میں تقسیم کرنے کے لیے ایک ہزار کتابیں خریدیں)۔

''تاج گیت'' کا مسودہ بھی طباعت سے پہلے ڈائریکٹر سر رشتہ تعلیم پنجاب مسٹر ڈبلیو بل کے ملاحظہ کے لئے پیش کیا گیا تھا۔ جنہوں نے اسے پسند کیا اور وعدہ کیا کہ ان کا محکمہ اس کتاب کی ایک ہزار جلدیں خریدے گا۔[۱۴]

''تاج گیت'' چھوٹی چھوٹی اکیس (۲۱) نظموں پر مشتمل ہے۔ جو کچھ ان نظموں میں بیان کیا گیا ہے وہ بچوں کی سمجھ اور خیالات کے مطابق اور ان کی بول چال کی زبان میں ہے لہذا کم عمر بچے آسانی سے انہیں پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔ ''تاج گیت'' کی نظمیں اگرچہ حد درجہ سادہ زبان میں لکھی گئی ہیں اور ان موضوعات پر لکھی گئی ہیں جو بچوں کے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں لیکن سبق آموزی کے پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ کم عمر بچوں کو براہ راست تلقین کا نہ تو اثر ہوتا ہے اور نہ ہی وہ ان کی سمجھ میں آتی ہے، اس لیے بالواسطہ طور پر سمجھانا ہی مؤثر ہوتا ہے بے شک اس کے اثرات دیر سے سامنے آتے ہیں مگر کارگر طریقہ یہی ہوتا ہے۔ محمدی بیگم اس بات کو سمجھتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کم عمر بچوں کے لیے لکھی جانے والی ان نظموں میں براہ راست نصیحت کرنے سے گریز کیا ہے۔ چونکہ زیر نظر تحریر میں زیادہ مثالیں دینے کی گنجائش نہیں ہے اس لیے صرف ایک نظم کے اشعار پیش کرتی ہوں۔

گیند

چلی آ لڑکتی لڑکتی چلی آ	مری گیند تو بیٹ کے پاس آ جا
میں ہوں دوڑا آتا پکڑنے کو تیرے	ٹھہر جا، بس ہاتھ آ جا تو میرے
لڑکتی ہے کیا، اب کہاں چھوڑتا ہوں	تجھے آدھے رستے سے میں موڑتا ہوں
نہ پڑنا کہیں گارے کیچڑ میں جا کر	کہ ہو جائے گی اس میں گندی سراسر
نہیں اچھے ہوتے ہیں میلے کھلونے	مرے ہاتھ ہو جاتے ہیں ان سے میلے

میرے پیش نظر ''تاج گیت'' کا جو نسخہ ہے اس پر بطور سن اشاعت ۱۹۲۹ء تحریر ہے۔ ظاہر ہے یہ کوئی خاصی مؤخر اشاعت ہے۔ اس کی پہلی اشاعت کا میں تعین نہیں کر سکی کیونکہ لاہور کی جو لائبریریاں میں دیکھ سکی ہوں وہاں مجھے یہ کہیں نہیں ملی۔ میرے پیش نظر جو مطبوعہ نسخہ ہے یہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود نسخے کی فوٹو کاپی ہے۔

تاج پھول

میرے پیش نظر اس کتاب کے ۱۹۲۳ء میں شائع ہونے والے ایڈیشن کی فوٹو کاپی ہے۔ کتاب کے آغاز

میں ''بچوں سے بات'' کے عنوان سے محمدی بیگم کا دیباچہ تو ہے مگر اس کے آغاز یا اختتام پر نہ تو مصنفہ کا نام ہے نہ تاریخ تحریر۔ ''تاج پھول'' نثر میں ہے۔

جیسا کہ کتاب کے مضامین ومسودات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بچوں کو بنیادی دینی عقائد کی تعلیم دینے اور آداب معاشرت سکھانے کے لیے لکھی گئی ہے۔ کتاب کے مسودات کے عنوانات یہ ہیں خدا، شیطان، ماں باپ، ہاتھ مُنہ دھونا، لمبے لمبے بال، بہن بھائی، ادب، شرم، باتیں، کہنا ماننا، جھوٹ بولنا، کھیل، دوست، ہوا خوری، بیماری، ننگے پاؤں، سونا، کپڑے، شیخی کرنا، کھانا کھانا، جانور پالنا.......... بچوں کی معاشرت کی تقریباً سبھی باتوں کو موضوع بنا کر سادہ زبان میں یہ بتایا گیا ہے کہ روزمرہ زندگی میں ان کا رویہ کیسا ہونا چاہیے، مثلا باتیں کے عنوان کے تحت لکھتی ہیں:

> ''جب تمہارے ماں باپ یا کوئی اور بڑے آپس میں بول رہے ہیں تو تم اُن میں جا کر مت بولو۔ کچھ کہنا ہو تو چپ چاپ کھڑے رہو جب وہ اپنی بات ختم کر لیں تب تم اُن سے جو کہنا ہے کہو۔''

مصنفہ نے مختلف موضوعات کے تحت اچھے طور طریقوں کی تعلیم دیتے وقت کہیں کہیں بات کو مؤثر بنانے کے لیے کہانی بھی بیان کی ہے مثلاً جھوٹ بولنے کی خرابیوں کو نمایاں کرنے کے لیے اس لڑکے کی کہانی لکھی ہے جو گاؤں والوں کو ہراساں کر کے ان کا تماشا دیکھنے کے لیے شیر آ گیا، شیر آ گیا کا شور مچایا کرتا تھا۔ اور پھر جب حقیقت میں شیر آیا تو اس کے پکارنے پر گاؤں کا کوئی شخص اس کی مدد کو نہ آیا........... ''تاج پھول'' گو پوری کی پوری نصیحت کی باتوں پر مشتمل ہے لیکن چونکہ نصیحت بڑی دل سوزی سے اور ہمدردی کے ساتھ سادہ زبان میں کی گئی ہے اس لئے اس کا پڑھنا بوجھ نہیں بنتا۔

ریاض پھول

اس کتاب کے جس نسخے کی میں فوٹو کاپی حاصل کر سکی ہوں اس کا سرورق اور دیباچہ نہیں ہے اس لئے اس کا سن اشاعت بتانا ممکن نہیں۔ یہ کہانیوں کی کتاب ہے۔ چوبیس (۲۴) کہانیوں کی اس کتاب میں متعدد کہانیوں کے ساتھ ہاتھ کی بنی ہوئی تصویریں بھی ہیں۔ تصویریں گو بہت اچھی نہیں لیکن محمدی بیگم کے عہد کے لحاظ سے بُری بھی نہیں ہیں۔ تمام کہانیاں سبق آموز ہیں۔ کہیں کہانی کے شروع میں کسی اچھی بات کی تلقین کی گئی ہے اور بعد میں اس کی وضاحت کے لئے کہانی بیان کی گئی ہے اور کہیں کہانی پہلے بیان کر دی ہے اور اس سے جو سبق حاصل ہوتا ہے اُسے آخر میں نمایاں کیا ہے۔ زبان از اول تا آخر سادہ ہے۔ کہیں کوئی ایسا لفظ نہیں جو بچے سمجھ نہ سکیں۔ اکثر کہانیوں کا اسلوب اور مواد ایسا ہے کہ انہیں دور حاضر کے بچوں کی درسی کتابوں میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

علی بابا اور چالیس چور

میرے پیش نظر اس کتاب کا ۱۹۲۳ء کا ایڈیشن ہے جس کے سرورق پر لکھا ہے کہ یہ قصہ ''الف لیلی'' سے ماخوذ ہے جسے محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ نے بچوں کے لیے نہایت آسان عبارت میں لکھا۔ میرے نسخے کے پہلے دو

صفحات غائب ہیں۔ کتاب میں قصے سے متعلق ہاتھ کی بنی ہوئی پانچ تصویریں بھی ہیں لیکن یہ تصویریں ''ریاض پھول'' میں شامل تصویروں سے کم تر درجے کی ہیں۔

پورے قصے کو مسلسل بیان کرنے کے بجائے مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے مثلاً قاسم غار کا پتہ لیتا ہے۔ قاسم خزانے میں جاتا ہے۔ قاسم اب تک نہیں آیا۔ علی بابا قاسم کو ڈھونڈنے جاتا ہے۔ چوروں کا حال۔ چور سردار کو خبر دیتا ہے وغیرہ۔ اس قصے کے دل چسپی کے تو سبھی معترف ہیں کہ مشہور قصہ ہے لیکن محمدی بیگم نے اسے چھوٹے چھوٹے ابواب میں تقسیم کر کے جس سادہ اسلوب میں لکھا ہے اس سے یہ مزید دل چسپ بن گیا ہے۔

چندن ہار

میرے سامنے اس کتاب کی چوتھی مرتبہ ۱۹۲۹ء میں شائع ہونے والی اشاعت ہے۔ جس میں کوئی دیباچہ وغیرہ نہیں ہے۔ سرورق پر کتاب کے عنوان ''چندن ہار'' کے نیچے والی سطور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی انگریزی کہانی کا ترجمہ ہے۔ ۲۹ صفحات کا یہ قصہ مختصر افسانے سے گہری مشابہت رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسی غریب لڑکی کی کہانی ہے جو اگرچہ ایک معمولی گھر میں رہتی ہے لیکن خواب عالی شان شبستانوں کے دیکھا کرتی ہے اور اپنی حالت پر کڑھتی رہتی ہے۔ قناعت کا مادہ اس میں بالکل بھی نہیں ہے امیروں کی ایک محفل میں شریک ہونے کے لیے وہ اپنے شوہر پر زور ڈال کر اپنی اوقات سے کہیں بڑھ کر مہنگا جوڑا پہننے کا سلواتی ہے اور اپنی ایک امیر سہیلی سے مانگ کر چندن ہار پہنتی ہے، جو گم ہو جاتا ہے۔ اس ہار کی جگہ دوسرا ہار خرید کر سہیلی کو دینے میں اس کے شوہر کو اپنا گھر اور سارا ساز و سامان بیچنا پڑتا ہے۔ جس کے نتیجے میں دونوں میاں بیوی کنگال ہو جاتے ہیں۔ صحت برباد ہو جاتی ہے بعد از خرابی بسیار سب کچھ کھو کر لڑکی کو عقل آتی ہے کہ آدمی کو اپنی اوقات میں رہنا چاہیے اور اپنے سے اوپر والوں کو دیکھ دیکھ کر آپے سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔

چونکہ اس قصے ''چندن ہار'' کا انگریزی ماخذ ہمارے سامنے نہیں ہے اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ قصہ کس حد تک ترجمہ ہے اور محمدی بیگم کے اضافے کیا ہیں۔ تاہم قصے کے ماحول اور...... کرداروں اور ان کے رہن سہن کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمدی بیگم نے انگریزی سے صرف بنیادی خیال ہی لیا ہے۔ باقی سب کہانی، اس کی جزئیات ان کی اپنی ہیں۔ قصے کی زبان سادہ اور بیان پُر اثر ہے۔

محمدی بیگم کی بچوں کے ادب کے سلسلے کی جن آٹھ کتابوں کا اوپر ذکر آیا یہ وہ کتابیں ہیں جو میں حاصل کر سکی ہوں۔ تہذیب نسواں کے جو شمارے میں دیکھ سکی ہوں۔ ان میں کچھ اور کتابوں کے اشتہار بھی میری نظر سے گزرے ہیں لیکن افسوس کہ میں یہ کتابیں اپنی کوشش کی کمزوری کے سبب دیکھ نہیں سکی وہ کتابیں حسب ذیل ہیں۔

آرسی، امتیاز بچپیی، تین بہنوں کی کہانیاں، دل پسند کہانیاں، دل چسپ کہانیاں، چوہے بلی نامہ، یہ وہ کتابیں ہیں جن کا ذکر شیخ اسماعیل پانی پتی نے بھی اپنے مقالے میں کیا ہے جو صحیفہ کے تاج نمبر میں شائع ہوا۔

مقام افسوس و عبرت ہے کہ بچوں کے لئے نظم و نثر میں اتنا زیادہ اور ایسا عمدہ لکھنے والی خاتون کا نام اور کام گم نامی کے دھندلکوں میں چھپ گیا ہے۔ محمدی بیگم کی بچوں کی کتابیں اپنے وقت میں ایسی مقبول تھیں کہ کسی قصبہ یا

شہر سے نہیں، مرکزِ علم و ثقافت لاہور سے متعدد مرتبہ شائع ہوئیں۔ محکمہ تعلیم کی طرف سے بچوں میں تقسیم کئے جانے کے لئے خریدی گئیں اور آج حال یہ ہے کہ لاہور کی ایک آدھ لائبریری میں ان کا سراغ مشکل سے ملتا ہے۔

محمدی بیگم کے مفصل حالات حیات تو کہیں نہیں ملتے۔ ان کے تصنیفی اور سماجی و معاشرتی کاموں کی طرف بس اشارے ہی کئے گئے ہیں۔ مثلاً شیخ محمد اسماعیل پانی پتی کا مضمون ''تاج صاحب کے والدین'' صحیفہ تاج نمبر لاہور میں اور ڈاکٹر سلیم ملک کے امتیاز علی تاج پر پی ایچ ڈی کے مقالے مطبوعہ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور میں۔ تاہم ان کے احوال و آثار کے بارے میں جو کچھ بھی ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کی ایک غیر معمولی خاتون تھیں۔ افسوس کہ انہوں نے بہت مختصر زندگی پائی اور نومبر ۱۹۰۸ء میں جب کہ ان کی عمر کے تیس سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے وہ وفات پا گئیں۔

حواشی:

۱۔ ریاض احمد صدیقی، ''پاکستان میں بچوں کا ادب اور مسائل''، ماہ نو، لاہور جنوری ۱۹۷۹ء، ص:۷۱

۲۔ اظہر علی فاروقی، ''میر تقی میر اور بچوں کی شاعری''۔ ماہنامہ، آج کل، نئی دہلی: ۱۹۷۱ء، ص: ۱۹

۳۔ ڈاکٹر خوشحال زیدی نے ''اُردو میں بچوں کا ادب'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا جسے انہوں نے اُردو اکیڈمی دہلی کے مالی تعاون سے شائع کیا۔ (ص: ۵۷۶) اپنے اس مقالے میں ڈاکٹر خوشحال زیدی نے تو محمدی بیگم کا ذکر ہی نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محمدی بیگم کے نام اور کام سے لاعلم ہیں۔ ڈاکٹر اسد اریب نے ''بچوں کا ادب'' کے عنوان سے کاروان ادب ملتان سے ۱۹۸۲ء میں اپنا ۲۵۵ صفحات کا مقالہ شائع کروایا۔ ڈاکٹر اسد اریب نے جس طور پر محمدی بیگم کا سرسری اور تشنہ ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ان کی بچوں کی کوئی کتاب دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ ان جامعاتی سندی تحقیقی مقالوں کے علاوہ بچوں کے ادب کے موضوع پر رسائل میں شائع ہونے والے جو مضامین میں دیکھ سکی ہوں ان میں بھی مجھے کہیں محمدی بیگم کا تذکرہ نہیں ملا۔

۴۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ ''تاج صاحب کے والدین''۔ صحیفہ (امتیاز علی تاج نمبر) اکتوبر ۱۹۷۰ء ص:۴۲

۵۔ سید ممتاز علی نے جو رسائل جاری کئے ان میں سب سے مشہور تو ''تہذیب نسواں'' تھا جو تقریباً پچاس سال تک شائع ہوتا رہا۔ اس کے علاوہ ''تالیف و اشاعت''، ''مشیر مادر'' اور ''پھول'' جاری کئے۔ ''پھول'' بچوں کا رسالہ تھا اور شہرت کے اعتبار سے ''تہذیب نسواں'' کا ہم پلہ تھا۔ (بحوالہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ مقالہ مذکورہ۔ ڈاکٹر محمد سلیم ملک، سید امتیاز علی تاج، زندگی اور فن، لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۲۰۰۳ء، ص:۲

۶۔ اسماعیل پانی پتی، مقالہ مذکورہ،ص: ۳۷۔ ڈاکٹر محمد سلیم ملک، کتاب مذکور،ص: ۲

۷۔ محمدی بیگم، پان کی گلوری، بہ اہتمام مولوی شیخ گلزار محمد صاحب، لاہور: گلزار محمدی سٹیم پریس، طبع سوم، ۱۹۱۸ء،ص: ۵۰۴

۸۔ اسماعیل پانی پتی نے ۲ نومبر اور ڈاکٹر محمد سلیم ملک نے ۳ نومبر لکھا ہے۔صحیفہ،ص: ۴۰۔ ڈاکٹر ملک، کتاب مذکور،ص: ۴

۹۔ اسماعیل پانی پتی۔ مقالہ مذکور،ص: ۳۷

۱۰۔ محمدی بیگم۔ سچے موتی، دیباچہ ص: ۲۴، طبع اوّل، سن اشاعت ندارد۔ میرے پیش نظر اس کتاب کی جو اشاعت ہے اس کا سرورق نہیں ہے اس لئے میں اس کے ناشر کے بارے میں کچھ بتانے سے معذور ہوں۔ یہ اس کتاب کی دوسری اشاعت ہے اس میں محمدی بیگم کا دیباچہ بھی ہے لیکن اس پر تاریخ نہیں۔ دوسری اشاعت کا دیباچہ سید ممتاز علی کا فروری ۱۹۲۵ء کا لکھا ہوا ہے۔

۱۱۔ ایضاً،ص: ۱۲۳

۱۲۔ ’’خواب راحت‘‘ میں دو دیباچے ہیں ایک محمدی بیگم کا یکم رمضان ۱۳۲۳ھ کا لکھا ہوا اور دوسرا سید ممتاز علی کا ۱۲ اگست ۱۹۲۷ء کا تحریر کردہ سید ممتاز علی نے دیباچے میں لکھا ہے کہ وہ اسے چوتھی مرتبہ ’’صورت اور ترتیب میں مناسب ترمیم‘‘ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

’’خواب راحت‘‘ میں جس قسم کی نظمیں شامل ہیں اس کی وضاحت محمدی بیگم نے دیباچے میں اس طرح کی ہے:

> ’’عموماً سب بچوں کی عادت ہے کہ وہ لوریاں اور دل بہلانے کے فقرے سن کر بہت خوش ہوتے ہیں برخوردار امتیاز علی ......کو لوریوں کے سننے کا بے انتہا شوق تھا......اس لئے میں نے اس کی خوشی کے لئے ...... بہت سی لوریاں جمع کی تھیں ....میں نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کو شائع کر دیا جائے ......ترمیم مناسب و نظر ثانی و اصلاح ضروری کے بعد ایک ترتیب خاص سے مرتب کیا ہے۔‘‘

۱۳۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، جھنجھے، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۷۷ء،ص: ۶

۱۴۔ محمدی بیگم، تاج گیت، دیباچہ،ص: ۱

۱۵۔ محمدی بیگم، تاج پھول، لاہور: دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۲۳ء،ص: ۱۵، ۱۶